OPEN ACCESS
Al-Muaz
ISSN (Online): 3006-0338
ISSN (Print): 3006-032X
https://almuaz.com



# کیف عاملھم کا منہج واسلوب: ایک مطالعہ
# A Study of the Style and Methodology of *Kaifa ʻĀmiluhum*

**Dr. Muhammad Haroon**
*Lecturer in Islamic Studies, Govt. Associate College 75/SB Sargodha*

## Abstract

The modern period, in terms of writings on the Prophet (PBUH), has been spectacularly productive. The classical Sīrah corpus in Arabian literary spheres during last two centuries, is generally an amalgam of prophetical traditions associated with ethical, social and political aspects. One core reason behind the plethora of the work, is to prevent the Islamic thought from the dominance of modern scientific thought emerged in the West, spread with the help of colonialism after the 19th century. As a result, the accumulation of writings on the conduct of Prophet (peace be on him) in the modern Arabian societies is variegated such as *ʻAlā Hāmiṣi's Sīrah* (1933) by Tāhā Ḥussein, *Abqariyātu Muḥammad (The Genius of Mohammad)* and *Muḥammad Rasūl al-Ḥurriyat (Muhammad the Prophet of Freedom, 1962)* by Abbas Mahmud el-ʻAkkad (Egypt), *Ḥayat-e-Muḥammad* by Muḥammad Ḥuseyin Heykel, *Sīret-e-Rasūl* by Izzat Darwaza, Muḥammad the Big Revolutionist by Fethi Riḍwān and *Istiṣrakiyyetū Muḥammad (Socialism of Muhammad) by Maḥmūd Shalbī*. Among these splendid literary works, *Kaifa ʻĀmiluhum by Muḥammad Ṣāliḥ al-Munjid* belongs to the genre of social conduct of the Prophet (PBUH). This work comprises on a preface and six chapters. The preface belongs to preliminary sociology of Sīrah. In the chapters, the conduct of the Prophet

CC BY

(PBUH) about all walks of life has been discussed. The prime propose of this paper is to elaborate this magnum opus of Sīrah.

**Keywords:** Sīrah Writings, Methodology, Social conduct, Arabian literary Circles

**تعارف**

رسول مکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس دنیا کی ہر شخصیت کے لیے زندگی کے ہر پہلو میں ہدایت کا بہترین اسوہ اور نمونہ ہے۔ آپ ﷺ نے جزیرۂ عرب میں اس وقت آنکھ کھولی، جس وقت پورا عرب اخلاقی گراوٹ کا شکار ہو چکا تھا؛ انسانیت کے لبادے میں موجود انسان اپنی حقیقت بھول کر درندوں سے بدتر زندگی گزار رہا تھا؛ زندگی کا ہر شعبہ زوال کا شکار تھا، اخلاقی اقدار نام کی کوئی چیز نہ تھی، ظلم وعداوت کا ہر جگہ بسیرا تھا، امن وامان کے فقدان کی یہ صورت حال تھی کہ قبائل آپس میں ہر وقت برسرِپیکار رہتے، چھوٹی چھوٹی بات پر طویل عرصہ تک لڑائیاں جاری رہتیں، بیٹیوں کو زندہ درگور کیا جاتا تھا؛ لوٹ مار عام تھی، قافلوں کو لوٹنا کمائی کا ذریعہ تھا، اور اسی پر فخر کیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انسانیت پر ترس کھایا اور انہیں ہدایت دینے کے لیے اپنا محبوب عطا فرمایا، جس نے انہیں جاہلیت کے اندھیرے سے نکالا، اخلاق وکردار کی درستگی کی، اللہ تعالیٰ کی معرفت دی، حقوق وفرائض والی زندگی دی، متحارب قبائل میں صلح کروائی، معاشرے میں امن وامان، بھائی چارہ اور ایثار وسخاوت کو فروغ دیا، محبت ومودت کی فضا قائم کی، معاشرے کے افراد کی روحانی، اخلاقی اور ایسی معاشی تربیت کی کہ وہ لوگ رشک ملائک بن گئے۔ حضور اقدس ﷺ کی ذات مبارکہ اور حیات مطہرہ ایسا موضوع ہے جس پر ہر زمانے کے ارباب علم ودانش نے مختلف زبانوں میں، مختلف اسالیب ومناہج میں؛ کبھی نثر میں اور کبھی نظم میں سیر حاصل لکھا اور خوب لکھا؛ اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ اس سے رسول اللہ ﷺ کی عظمت ورفعت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

**سیرت نگاری کے مختلف مناہج واسالیب**

مرورِ زمانہ کے ساتھ جس طرح لوگوں کے احوال، طرز زندگی، لین دین کے معاملات میں جدت آئی ہے؛ اسی طرح علوم وفنون میں بھی نئے نئے رجحانات سامنے آئے ہیں۔ علوم وفنون کو مختلف شاخوں میں تقسیم کرکے ان پر تحقیق کی جارہی ہے۔ دیگر علوم کی طرح علوم اسلامیہ میں بھی مختلف جہات اور پہلوؤں پر تحقیقات منصۂ شہود پر لائی جارہی ہے۔ اسلامی علوم میں رسول اللہ ﷺ کی سیرت اقدس پر بھی مختلف جہات سے لکھا جارہا ہے، سیرت کے نئے رجحانات متعارف کروائے جارہے ہیں؛ تاکہ آپ ﷺ کی ذات اقدس اور آپ کی تعلیمات کی کاملیت اور عظمت کو آشکارا کیا جاسکے۔ موجودہ دور میں سیرت نگاری کے رجحانات میں سے چند ایک میں سے فقہ السیرۃ، شمائل نبوت، دلائل نبوت، اختصاصی سیرت اور تقابلی سیرت وغیرہ شامل ہیں۔ سیرت کے ان پہلوؤں پر مختلف زبانوں میں لکھا جارہا ہے جن میں عربی زبان سرفہرست ہے۔ معاصر عرب سکالرز نہ صرف سیرت کے مختلف زاویوں پر جدید طرز سے اپنی نگارشات کو منصۂ شہود پر لارہے ہیں بلکہ مستشرقین کی طرف سے سیرت پر اٹھائے جانے والے اشکالات کا بھی مسکت جواب دے رہے ہیں۔

**معاصر عرب سیرت نگار اور ان کی نگارشات**

عصر حاضر میں عرب میں سیرت نگاری کے حوالے سے تحقیق کی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ دور جدید میں عرب مسلم سکالرز نے سیرت کے مختلف گوشوں پر بہت عمدہ نگارشات پیش کی ہیں۔عرب میں سیرت نگاری کے دور جدید کا آغاز شیخ محمد بن عبدالوہاب (م1792ء) سے شروع ہوتا ہے جنہوں نے سیرت پر ایک مختصر کتاب لکھی ،پھر شیخ رفاعۃ الطہطاوی (م1883ء)نے **نهاية الايجاز سيرة ساكن الحجاز** کے نام سے کتاب لکھی،جو ان کی تالیفات میں سے تقریبا آخری تالیف سمجھی جاتی ہے؛یہ دونوں تصانیف عرب میں سیرت نگاری کے دورِ جدید کا نقطۂ آغاز سمجھی جاتی ہیں؛ان کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتاہے کہ یہ کتابیں شیخ محمد یوسف الصالحی الشامی(م1536ء)کی کتاب سبل الهدى والرشاد کے بعد لکھی گئیں۔شیخ طہطاوی کی نہایۃ الایجاز اور شیخ محمد یوسف کی سبل الهدى کے درمیان تقریبا تین صدیوں کا فاصلہ ہے،اسی واسطے ان کی سیرت کی کتاب کو عرب میں سیرت نگاری کے دورِ جدید کا آغاز کہا جاتا ہے۔اس زمانے تک جتنی بھی سیرت پر کتابیں لکھی گئیں ان کا طرزِ تحریر اور اسلوب نگارش اسلاف متقدمین کے اسلوب سے ملتا جلتا تھا،یہ صورت حال بیسویں صدی عیسوی کی تیسری دہائی تک جاری رہی؛مشرق وسطی پر مشنری مبلغین کے حملے نے مسلم مبلغین، مفکرین،ادباء اور علماء کے جوش وخروش کو بھڑکا کر رکھ دیا؛پھر سیرت کی مختلف جہات پر مستقل کتابیں منصۂ شہود پر آنے لگیں۔

**معاصر عرب میں رسول اللہ ﷺ کی فصاحت وبلاغت پر لکھی گئی تالیفات**

چنانچہ بعض محققین نے رسول اللہ ﷺ کی فصاحت وبلاغت کی عظمت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا۔اس سلسلے میں محمد جاد المولی نے دو کتابیں لکھیں، جن میں رسول کریم ﷺ کی فصاحت وبلاغت کے پہلوؤں پر روشنی ڈالی؛پہلی کتاب " محمد المثل الكامل" اور دوسری کتاب "محمدالخلق الكامل" کے عنوان سے لکھی۔محمد حسین ہیکل نے "حياة محمد" لکھی،اگرچہ اہل علم کی طرف سے اس پر نقد بھی کیا گیا لیکن بہر حال اسے مقبولیت بھی ملی۔مصر کے بہت بڑے ادیب مصطفی صادق الرافعی نے" رسول الانسانية وبلاغة الرسول"لکھی۔ڈاکٹر طہ حسین نے "على هامش السيرة"لکھی۔توفیق الحکیم نے"محمدصلى الله عليه وسلم ( سيرة حوارية) "لکھی۔

**عرب کے عہد جدید میں رسول کریم ﷺ کی سیرت کے دفاع پر لکھی گئی تصانیف**

ملحدین اور مستشرقین کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی سیرت اور ذات اقدس کو بھی نشانہ بنایا گیا؛ چنانچہ اس زمانے میں رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس اور آپ کی سیرت پر کیے گئے اعتراضات کا بھی مسکت جواب دیا گیا اور اس پر مستقل تصانیف لکھی گئیں؛اس حوالے سے شیخ محمد رشید رضا (م1935ء)کی دو کتابیں نمایاں مقام رکھتی ہیں ان میں سے پہلی کتاب "الوحی المحمدی" اور دوسری کتاب " سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم" ہے۔استاذ محمد فرید الوجدی (م1954ء)نے"السيرة المحمدية تحت ضوء الفلسفة والعلم الحديث"کے نام سے ایک مقالہ لکھاجو جامعہ ازہر سے شائع ہونے والے مجلہ میں چھپا؛ جسے بہت زیادہ پذیرائی ملی۔امام محمد ابو زہرہ(م1974ء)نے"خاتم النبيين"کے نام سے کتاب لکھی۔مالک بن نبی (م1973ء) نے "الظاهرية القرآنية "کے نام سے کتاب لکھی جس میں رسول کریم ﷺ پر وارد ہونے والے شبہات کا جواب دیا۔شیخ محمد ابوشہبہ (م1983ء) نے " السيرة النبوية فى ضوء القرآن والسنة"تالیف فرمائی اور معترضین کے شبہات کا عقلی و نقلی جواب دیا۔

**فقہ السیرۃ**

وقائع سیرت سے مستنبط ہونے والے مختلف معاشرتی، معاشی، عائلی، اخلاقی، کلامی اور فقہی پہلوؤں کا تجزیہ و تحلیل کر کے نتائج اخذ کرنے کا اسلوب بھی اپنایا گیا؛ اس پہلو نے موجودہ زمانے میں نئے پیدا ہونے والے مختلف مسائل کے حل کرنے میں اعانت کی۔ اس موضوع پر جن حضرات نے لکھا انہوں نے صرف کلاسیکی ادب سیرت سے ہی استفادہ نہیں کیا بلکہ سیرت نگاری میں ایک نئی طرح ڈالی؛ وہ یہ کہ وقائع سیرت کو درج کرتے وقت کتب احادیث، شروح حدیث، کتب فقہ و تاریخ وغیرہ سے مکمل استفادہ کیا ہے، جیسا کہ ان کتب کے حواشی کو ملاحظہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ بہت سارے مقامات پر فتح الباری لابن حجر، شرح مسلم للنووی، علامہ طبری کی تفسیر الجامع البیان اور مقدمہ ابن خلدون وغیرہ شامل ہیں؛ کے حوالے بار بار ملتے ہیں۔ اس قسم کے ذخیرہ سیرت میں حسن البناء کی "نظرات فی السیرۃ" جو کہ درحقیقت ان کے محاضرات کا مجموعہ ہے؛ جسے احمد عیسیٰ عاشور کی کاوش سے شائع کیا گیا ہے۔ محمد الغزالی کی "فقہ السیرۃ" ڈاکٹر مصطفی السباعی کی "السیرۃ النبویۃ دروس وعبر" سعید حوی کی "الاساس فی السیرۃ" علی محمد الصلابی کی "السیرۃ النبویۃ عرض وقائع وتحلیل احداث" محمد سعید رمضان البوطی کی "فقہ السیرۃ النبویۃ" منیر محمد الغضبان کی "صاحب المنہج الحرکی للسیرۃ النبویۃ : فقہ السیرۃ النبویۃ" شامل ہیں۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی محمد صالح المنجد کی "کیف عاملھم صلی اللہ علیہ وسلم" بھی ہے۔

**"کیف عاملھم صلی اللہ علیہ وسلم" کا تعارفی جائزہ**

مذکورہ کتاب شیخ ابو صالح المنجد کے محاضرات کا مجموعہ ہے جو انہوں نے 1427ھ کے رمضان المبارک میں جامع مسجد عبدالعزیز میں تراویح کے بعد "التعاملات النبویۃ مع اصناف الناس" کے عنوان سے دیے؛ جسے بعد میں بہت سارے ٹی وی چینلز کی طرف سے "الجوانب العظمۃ فی حیاۃ النبی ﷺ" کے عنوان سے پیش کیا گیا؛ اس سلسلے کے اختتام کے بعد دوبارہ پھر اسے "الجوا نب الاجتماعیۃ فی حیاۃ خیر البریۃ " کے عنوان سے پیش کیا گیا۔ پھر اسے کتابی شکل میں مجموعہ زاد للنشر جدہ اور ریاض سعودی عرب نے 1436ھ میں " کیف عاملھم ﷺ" کے نام سے شائع کر دیا۔ کتاب چھ ابواب اور ایک مختصر مقدمہ پر مشتمل ہے، باب اول میں "قدوہ" کا معنی بیان کیا گیا ہے اور اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ انبیاء کرام علیھم السلام عوام الناس کے لیے قدوہ کیسے ہیں، پھر رسول اللہ ﷺ کے قدوہ ہونے کی وجوہات کا مفصل تذکرہ کیا گیا ہے۔ دوسرے باب میں رسول کریم ﷺ کا اپنے اہل، اقارب اور متعلقین کے ساتھ تعامل کیسا تھا؟ اس برتاو کو احادیث کی روشنی میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ جب کہ تیسرے باب میں رسول اللہ ﷺ کا مخصوص سماجی طبقے کے ساتھ تعامل اور برتاو ذکر کیا گیا ہے، چوتھے باب میں معاشرے کے مختلف طبقات کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے تعامل کو بیان کیا گیا ہے، پانچویں باب میں عام طبقات کے ساتھ کے برتاو؛ جب کہ چھٹے باب میں انسانوں کے علاوہ مخلوقات سے رسول کریم ﷺ کے معاملات کا ذکر کیا گیا ہے۔ کتاب آٹھ سو تین صفحات پر مشتمل ہے۔

**کیف عاملھم ﷺ کا منہج واسلوب**

مذکورہ کتاب میں مصنف کا اسلوب یہ رہا ہے کہ ہر باب کے آغاز میں اس کا تعارف کرواتے ہیں پھر عام طور پر اپنے عنوانات کو قرآنی آیات اور پھر احادیث سے ثابت کرتے ہیں، جس طبقہ کا بھی تذکرہ کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے معاملات کے تذکرے سے پہلے اس طبقے کا مختصر تعارف بھی پیش کرتے ہیں؛ جو قاری کی دلچسپی کا باعث بنتا ہے۔ ہر فصل کا اختتام ایک بہترین

قصیدے پر کرتے ہیں۔ بالعموم پوری کتاب میں محدثین کے منہج کو اپنایا ہے؛ وقائع سیرت کے تذکرے کے بعد ان سے نتائج بھی اخذ کرتے ہیں اس سلسلے میں اپنے پیش رو شارحین کے اقوال سے استفادہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ احادیث کے غریب الفاظ کی بھی توضیح کرتے ہیں اس حوالے سے ماہرین غریب الحدیث کے اقوال پیش کرتے ہیں۔ احادیث کے مابین واقع ہونے والے تعارض کو بھی حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سیرت سے متعلقہ حدیث ذکر کرنے کے بعد فوائد کو بھی فوائد حدیث کے عنوان سے ذکر دیتے ہیں۔

**قدوہ کا مفہوم**

مصنف نے اپنی کتاب کا آغاز "قدوہ" کے معنی کی توضیح سے کیا ہے؛ اس کے بعد ان صفات کا تذکرہ کیا ہے جن کی وجہ سے انبیاء علیھم السلام لوگوں کے لیے اسوہ اور قدوہ کی حیثیت رکھتے ہیں؛ آخر میں ۲۳ کے قریب وجوہات اور خصائل کا تذکرہ کیا ہے جن میں نبی کریم ﷺ امت کے لیے اسوہ اور قدوہ ہیں۔ چنانچہ قدوہ کے مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: القدوۃ : اسم لمن یقتدی بہ ،فیقال:فلان قدوۃ [1] "قدوہ اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کی اقتداء کی جاتی ہو، جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص قدوہ ہے یہ اسی شخص کے بارے میں کہا جاتا ہے لوگ جس کی پیروی کرتے ہوں۔

**مقالہ نگار کی رائے**

اس مقام پر ممدوح مصنف نے صرف قدوہ کا معنی بیان کیا ہے اور پھر انبیاء کے قدوہ ہونے کی وجوہات کا تذکرہ کرنے کے بعد باب ختم کر دیا ہے مقالہ نگار کی رائے کے مطابق کیا ہی مناسب ہوتا کہ قدوہ کے معنی کے ساتھ ساتھ اسوہ کا مفہوم بھی واضح کر دیا جاتا، کیونکہ قرآن کریم میں رسول اللہ ﷺ کو لوگوں کے لیے اسوہ قرار دیا گیا ہے۔ پھر قدوہ کے مفہوم کی توضیح میں کسی لغت کی کتاب کا حوالہ بھی دے دیا جاتا تو بہت اچھا ہوتا؛ مگر ایسا نہیں کیا گیا اور پوری کتاب میں کسی جگہ بھی کسی لفظ کے لغوی مفہوم کو واضح کرتے ہوئے ہمارے ممدوح مصنف نے کہیں بھی کسی لغت کا حوالہ نہیں دیا؛ چونکہ یہ کتاب دراصل شیخ کے محاضرات کا مجموعہ ہے اور محاضرات میں بالعموم کسی لغت کا حوالہ نہیں دیا جاتا تو ممکن ہے اس وجہ سے کسی لغت کی کتاب کا حوالہ نہ دیا گیا۔

**قرآنی آیت اور حدیث سے استشہاد**

بالعموم جب کسی نئی بات کا آغاز کرتے ہیں تو اس کے لیے الگ سے ایک عنوان قائم کرتے ہیں؛ پھر اپنے قائم کردہ عنوان کی تائید میں قرآنی آیت اور حدیث بھی پیش کرتے ہیں؛ اور جہاں کہیں قرآنی آیت نہ مل سکے تو پھر صرف حدیث کے ذکر پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر امت کے حق میں رسول اللہ ﷺ کے قدوہ ہونے کی وجوہات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: فھو قدوۃ فی الحسن الخلق "رسول اللہ ﷺ اپنی امت کے لیے اچھے اخلاق میں اسوہ اور قدوہ ہیں"۔ اس کے بعد اپنے اس موقف کی تائید میں بطور استشہاد ایک قرآنی آیت اور تین احادیث پیش کی ہیں؛ چنانچہ لکھتے ہیں: قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ: وانک لعلی خلق عظیم [2] "اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: اور بلاشبہ آپ بہت بڑے اخلاق پر فائز ہیں"۔ پھر حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا کی روایت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وعن صفیۃ بن حیی قالت: ما رایت احسن خلقا من رسول اللہ ﷺ [3] "حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر اچھے اخلاق والا کوئی نہیں دیکھا"۔

**فصل کے آغاز میں اس طبقے کا مختصر تعارف**

چونکہ کتاب ھذا کا موضوع رسول اللہ ﷺ کا سماج کے مختلف طبقات سے تعامل اور برتاو ہے اس لیے مصنف کا اسلوب یہ رہا ہے کہ جب معاشرے کے کسی طبقے کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے تعامل اور برتاو کا تذکرہ کرتے ہیں، اس تعامل سے قبل اس طبقے کے بارے میں مختصر مگر جامع انداز سے تعارف بھی پیش کر دیتے ہیں جس سے قاری کو اس بارے بہت عمدہ معلومات مل جاتی ہیں۔۔مثال کے طور پر رسول اللہ ﷺ کا اپنے اقارب کے ساتھ تعامل کیسا رہا؟ اس حوالے سے ایک عنوان قائم فرمایا ہے: تعامل النبی ﷺ مع اقاربه[4] اس عنوان کے تحت رسول اللہ ﷺ کے اقارب میں آپ کے چچاوں، پھوپھیوں، اور ان کی اولاد کا بڑے خوب صورت انداز میں مختصر تعارف کروایا ہے: چنانچہ لکھتے ہیں: وكان له من الاعمام: اسد الله واسد رسوله سيد الشهداء حمزة بن عبدالمطلب والعباس وابوطالب واسمه عبدمناف وابولهب واسمه عبدالعزى والزبير و عبدالكعبة والمقوم وضرار قثم والمغيرة ولقبه حجل والغيداق واسمه مصعب۔۔۔واسن اعمامه الحارث واصغرهم سنا : العباس[5] "رسول کریم ﷺ کے چچاوں میں سے اسد اللہ ورسولہ سید الشھداء حضرت حمزہ بن عبد المطلب اور عباس ابو طالب کہ ان اصلی نام عبد مناف تھا؛ ابولہب ان کا اصلی نام عبد العزی تھا؛ زبیر، عبد الکعبہ، ضرار، قثم، مغیرہ کہ ان کا لقب حجل تھا، الغیداق کہ ان کا اصل نام مصعب تھا۔ آپ ﷺ کے چچاوں میں سے سب سے بڑے چچا حارث تھے اور عمر کے اعتبار سے سب سے چھوٹے چچا حضرت عباس تھے"۔

لیکن یہ بات واضح رہے کہ ہمارے ممدوح مصنف کا مذکورہ اسلوب پوری کتاب میں ہر جگہ نہیں رہا؛ بلکہ بعض مقامات پر اس طبقے کا تعارف کروائے بغیر ہی اپنے موضوع کی طرف آجاتے ہیں؛ مثال کے طور پر جب رسول اللہ ﷺ کے خدام اور غلاموں کے ساتھ آپ ﷺ کا تعامل بیان کیا ہے تو وہاں بھی مناسب تھا کہ آپ ﷺ کے غلاموں اور خدام کا تذکرہ بھی کر دیتے؛ لیکن ایسا نہیں کیا بلکہ خدام کا تعارف کروائے بغیر ہی رسول اللہ ﷺ کے تعامل کا تذکرہ کر دیا گیا ہے۔[6]

**اختلافِ روایت کی طرف اشارہ**

بعض اوقات کسی واقعہ کے تذکرہ میں کتب حدیث میں الفاظ مختلف ہوتے ہیں؛ ایسی صورت حال میں روایت کے اختلافی الفاظ کو بھی بیان کر دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص کسی مرد کو اپنی بیوی کے ساتھ مشغول پائے تو کیا اسے قتل کر سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ حضرت سعد نے عرض کی، کیوں نہیں، اس ذات کی قسم جس نے آپ کا اکرام کیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسمعوا الى مايقول سيدكم[7] "اپنے سردار کی بات کو سنو وہ کیا کہہ رہا ہے"۔ مذکورہ روایت صحیح بخاری کی ہے جس میں اتنے الفاظ ہی مروی ہیں ؛جب کی صحیح مسلم کی روایت میں الفاظ میں اضافہ ہے یہی وجہ کہ ممدوح مصنف نے یہاں روایت کے الفاظ کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے ؛لکھتے ہیں: وفی رواية لمسلم۔۔۔اسمعوا الى مايقول سيدكم انه لغيور وانا اغير منه والله اغير منی[8] مذکورہ روایت ذکر کے روایت کے اختلاف کی طرف اشارہ کر دیا۔

**معنی حدیث سے پیدا ہونے والے اشکال کا جواب**

بعض اوقات کسی حدیث کے ظاہری معنی پر کوئی اشکال وارد ہو رہا ہوتا ہے، ایسی صورت حال میں اس اشکال کا جواب بھی دے دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک مقام پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا کا واقعہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: عن عائشة أم المؤمنين، قالت: دعي رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى جنازة صبي من الأنصار، فقلت: يا رسول الله طوبى لهذا، عصفور من عصافير الجنة لم يعمل السوء ولم يدركه...[9] "حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کو انصار کے کسی بچے کے جنازے کے لیے بلایا گیا جب آپ واپس تشریف لائے تو میں نے عرض کی کیا ہی مبارک بادی ہے اس لڑکے کے لیے یہ تو جنت کی چڑیوں میں سے ایک چڑیا ہے؛ اس نے ابھی تک تو کوئی برا عمل نہیں کیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ کیا تم جانتی نہیں کہ اللہ تعالی نے جنت کے لیے بھی کچھ اہل تیار کیے ہیں اور جہنم کے لیے بھی"۔ مصنف نے اس حدیث کے ضمن میں امام نووی کا قول نقل کیا ہے کہ علمائے امت کا اتفاق ہے کہ اطفال مسلمین میں سے جو بھی فوت ہو گا وہ جنتی ہو گا؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مکلف نہیں؛ امام نووی کی اس بات پر مذکورہ حدیث کی وجہ سے ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا کی بات کو جب رسول اللہ ﷺ نے سنا تھا تو فرمایا تھا: اے عائشہ کیا تم جانتی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کے لیے بھی کچھ اہل تیار کیے ہیں اور جہنم کے لیے بھی، جب ایسی بات ہے کہ اس پر امام نووی کی بات کیسے درست ہو سکتی ہے؟ اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: واجابوا عن حديث عائشة هذا بانه نهاهاعن المسارعة الى القطع من غير ان يكون عندها دليل قاطع[10] "حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اس لیے منع فرمایا تھا کہ وہ کسی کے بارے میں یقین سے اس وقت تک بات نہ کریں جب تک ان کے پاس کوئی قطعی دلیل نہ ہو۔

**فان قیل اور قیل کہہ کر تعارض اور حل تعارض**

سیرت کے واقعات کے ضمن میں بسا اوقات ایسی احادیث سامنے آتی ہیں کہ بظاہر ان میں تعارض معلوم ہوتا ہے ایسے میں مصنف اس تعارض کو حل کر دیتے ہیں، اس سلسلے میں تعارض کو ذکر کرتے وقت " فان قیل " کہہ کر ذکر کرتے ہیں اور حل تعارض کے لیے " قیل "کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: قال النبی ﷺ ایکم مال وارثه احب الیه من ماله[11] "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کون شخص ایسا ہے جسے اپنے مال سے زیادہ اپنے وارث کا مال محبوب ہے؟" ہمارے ممدوح مصنف اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد فان قیل کہہ کر اس حدیث کے ایک اور حدیث کے ساتھ تعارض کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: فان قيل: هذا الحديث يدل على ان انفاق المال فى وجوه البرافضل من تركه لوارثه، وهذا يعارض قوله ﷺ لسعد: انک ان تذر ذريتک اغنياء خير من ان تذرهم عالة يتكففون الناس[12] "اگر یہ بات کہی جائے کہ مذکورہ بالا حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نیکی کے راستوں پر مال خرچ کرنا زیادہ افضل ہے اس بات سے کہ آدمی اپنا مال پیچھے ورثاء کے لیے چھوڑ کر جائے؛ اگر یہی بات ہے تو پھر یہ حدیث تو اس حدیث کے بالکل معارض ہے جس میں خود رسالت مآب ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: اے سعد! تم اپنی اولاد کو مالدار اور غنی چھوڑ کر جاو؛ یہ زیادہ بہتر ہے اس بات سے کہ تمہارے جانے کے بعد وہ فقیر ہوں اور لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہوں۔ اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ آدمی کو اپنے پیچھے مال چھوڑ کر جانا چاہیے۔ اس تعارض کو حل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: قيل: لاتعارض بينهما انما خص النبی ﷺ

سعدا علی ان یترک مالا لورثته۔۔[13] "مذکورہ دونوں احادیث میں کسی قسم کا کوئی تعارض ہی نہیں ہے؛اس لیے کہ حدیثِ سعد میں رسول کریم ﷺ نے حضرت سعد سے فرمایا تھا کہ کہ تم اپنے ورثاء کے لیے مال چھوڑ کر جاو کیونکہ انہوں نے مرض کی حالت میں اپنے سارے مال کو صدقہ کرنے کا ارادہ فرمالیا تھا تو اس لیے انہیں اپنے اس ارادے سے منع فرمایا کہ تم ایسا نہ کرو بلکہ اپنے مال کا تہائی حصہ صدقہ کردو باقی مال اپنے ورثاء کے لیے چھوڑ دو؛ جب کہ حدیث عبد اللہ بن مسعود کا اصل منشا صحت کی حالت میں صدقہ کرنے پر برانگیختہ کرنا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کسی مالدار آدمی پر بخل غالب آجائے جس کی وجہ سے وہ صدقہ نہ کرسکے اور آخرت میں ثواب سے محروم ہی نہ ہو جائے۔ جب دونوں کا مدعی ہی الگ الگ ہے تو تعارض ہی نہ رہا"۔

**" من فوائد الحدیث" کہہ کر قصہ ذکر کرنے کے بعد اس سے مستنبط ہونے والے آداب کا تذکرہ**

بعض اوقات کسی قصے کے تذکرے کے بعد اس سے مستنبط ہونے والے نتائج اور آداب کا بھی تذکرہ کر دیتے ہیں، ان آداب کے تذکرے سے بہت سارے مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ مثلاً حضرات شیخین کا مشہور واقعہ ذکر کرتے ہیں جس میں یہ حضرات رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شدید بھوک کی حالت میں ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے جس نے ان کی ضیافت کی ؛بھوک اور پیاس کی حالت میں کھانا کھانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:والذی نفسی بیده لتسالن عن هذا النعیم یوم القیامة[14] "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے تم سے قیامت کے دن اس نعمت کے بارے میں ضرور سوال کیا جائے گا"۔اس واقعے کو نقل کرنے کے بعد" من فوائد الحدیث "کہہ کر بہت سارے آداب اور نتائج جو اس قصے سے نکل رہے ہیں کا تذکرہ کرتے ہیں۔ مثلاً اس سے ایک بات تو یہ ثابت ہوئی رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کے پاس دنیا کی مال و متاع نہیں تھی اور نہ ہی انہیں اسے حاصل کرنے کا شوق تھا، اسی طرح اس قصے سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ کسی پریشانی اور الم کا کسی کے سامنے اس لیے ذکر کرنا وہاں سے تسلی اور صبر ملے گا یہ بالکل جائز ہے؛ جیسا کہ صحابہ کرام نے اپنی بھوک کی حالت رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش فرمادی، اس سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ اگر کوئی شخص کسی کے ہاں مہمان ہو تو میزبان کو اس کے سامنے اپنی خوشی ظاہر کرنا کہ آپ کے آنے سے ہمیں بے حد مسرت ہوئی یہ بھی جائز ہے، اس سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ مہمان کے آنے پر جو کچھ تیار ہو اسے پیش کر دینا چاہیے زیادہ تکلف میں نہیں پڑنا چاہیے بسا اوقات زیادہ تکلف مہمان پر گراں گزرتا ہے[15]۔

**الفاظ غریبہ کی توضیح وتشریح**

مصنف کی ایک عادت یہ بھی رہی ہے کہ احادیث میں آنے والے الفاظ غریبہ کی توضیح بھی کرتے ہیں اس حوالے سے ان کا اسالیب مختلف رہے ہیں کبھی تو خود ہی اس کی وضاحت کر دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:یا عائشة استتری من النار ولو بشق تمرة [16]"اے عائشہ جہنم کی آگ سے بچو اگرچہ کھجور کے ایک ٹکڑے سے ہی کیوں نہ ہو"۔ حدیث مذکورہ میں لفظ " شق " کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:شق التمرة :نصفها وجانبها،والمعنی:ولوبشی یسیرمنها او غیرها[17] "شق التمرۃ کا مفہوم یہ ہے کہ آدھی کھجور یا اس کے اطراف کا کوئی حصہ ہی صدقہ کردو، اس جملے کی مزید وضاحت یہ ہے کہ یہاں کھجور کا لفظ بطور استعارہ کے استعمال کیا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ کسی ہلکی پھلکی چیز کو ہی صدقہ کردو ممکن ہے کہ وہی چیز ہی آخرت میں نجات کا سبب بن جائے۔

**شعر سے استدلال**

کبھی کبھی اپنے بیان کردہ مفہوم کی مزید توضیح کرتے ہوئے شعر سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی سخاوت کا کے بارے میں ایک حدیث ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: عن جابر بن عبدالله رضی الله عنه قال: ماسئل رسول الله ﷺ شيئا فقال: لا[18] "حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی نے رسول اللہ ﷺ سے کسی دنیوی چیز کے بارے سوال کیا ہو اور آپ ﷺ نے فرمایا ہو کہ میرے پاس نہیں"۔ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: معناه: ماسئل شيئا من متاع الدنيا فقال: لا۔ ففيه بيان عظيم سخائه[19] اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ سے جب بھی کسی دنیا کے سامان کا سوال کیا گیا آپ ﷺ نے کبھی کبھی انکار نہیں فرمایا۔ اپنے اسی مفہوم کی توضیح کرتے ہوئے شعر بھی پیش فرمایا ہے؛ چنانچہ لکھتے ہیں:

واذا سخوت بلغت بالجود المدى وفعلت مالاتفعل الكرماء[20]

### ہر باب کے اختتام پر ایک عربی قصیدہ

مصنف کی اس کتاب میں ایک عادت یہ بھی رہی ہے کہ وہ ہر بحث کے خاتمے پر اسی سے متعلق ایک عربی قصیدہ بھی ذکر کرتے ہیں؛ گویا یہ قصیدہ اس پورے باب کا خلاصہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر رسول اللہ ﷺ کا اپنے مہمانوں کے ساتھ رویہ، تعامل اور برتاو کیسا تھا؟ اس پر مفصل بحث کے بعد آخر میں مہمان نوازی کے حوالے سے قصیدہ لکھا ہے جس کے چند اشعار یہ ہیں:

بحسن البشر تبتدر الضيوف وبسط الوجه اول من يضيف

ونخدمه باعيننا،و نبقى عليه بكل مكرمة نطوف

وحين نزوره حبا فانى كريم في زيارته عفيف

وللضيفان حق مستحق بكل الخير تنبسط الكفوف

ونكرمهم بانفس مالدينا قرانا بين ايديهم صنوف[21]

### خلاصہ بحث

رسول کریم ﷺ کی ذات گرامی ایک ایسی عظیم ہستی ہیں کہ جن کی سیرت و کردار ہر انسان کے لیے اسوہ کی حیثیت رکھتی ہے ؛ یہ آپ ﷺ کا ہی معجزہ ہے کہ تھوڑے سے وقت میں انسانیت کو فلاح وفوزان کے بام عروج پر پہنچادیا، یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کی سیرت پر دنیا کی تقریبا ہر زبان میں چاہے نظم ہو یا نثر؛ بہت زیادہ لکھا گیا۔ مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ زمانے کے تقاضوں کی وجہ سے آپ ﷺ کی سیرت کے مختلف گوشوں اور مختلف جہات پر مستقل کتابیں منصۂ شہود پر آئیں؛ ان جہات میں سے ایک جہت اختصاصی سیرت اور فقہ السیرۃ بھی ہے، عہد جدید میں اس موضوع پر عربی زبان میں بھی بہت کچھ لکھا جا رہا ہے، جدید دور کی عربی نگارشاتِ سیرت پر نگاہ دوڑائی جائے تو ایک طویل فہرست نظر آتی ہے ان میں سے ایک کتاب "کیف عاملهم ﷺ" بھی ہے، جو درحقیقت شیخ ابو صالح المنجد کے محاضرات کا مجموعہ ہے جو انہوں نے رمضان المبارک کی مبارک ساعات میں تراویح کے بعد دیے تھے جنہیں بعد میں کئی ٹی وی چینلز پر بھی دکھایا گیا اور بعد میں انہی محاضرات کو کتابی شکل میں "کیف عاملهم ﷺ" کے نام کے ساتھ شائع کر دیا گیا؛ اس کتاب کا اصل موضوع رسول کریم ﷺ کا سماج اور معاشرے کے مختلف طبقات کے ساتھ تعامل منصۂ شہود پر لانا ہے جس سے رسول اللہ ﷺ کے حسن اخلاق کا پہلو آشکارا کرنا مقصود ہے ۔ ممدوح مصنف نے محدثانہ اسلوب میں اپنے موضوع پر بڑا محققانہ، وقیع اور قابل قدر کام کیا ہے اور سارے موضوع کو

احادیث کی روشنی میں پیش کیا ہے ؛اس ضمن میں ان تمام اسالیب کو اپنایا ہے جنہیں عام طور پر شارحین حدیث اپنی شرح حدیث کے دوران اپناتے ہیں۔حدیث کے مشکل اور غریب الفاظ کی وضاحت، اختلاف روایات کی طرف اشارہ، وقائع سیرت کے ذکر کے بعد ان کی تجزیہ کرتے ہوئے دور جدید میں درپیش مسائل کو سیرت کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش، کسی حدیث کے ظاہری مفہوم پر واقع ہونے والے اشکال کو حل کرنا، دو مختلف احادیث میں بظاہر ہونے والے تعارض کو حل کرنے کی کوشش کرنا، اپنے مدعیٰ کو قرآنی آیت اور احادیث سے مزین کرنا، موقع بہ موقع اشعار کو بھی بطور استشہاد کے پیش کرنا وغیرہ۔یہ وہ مناہج ہیں جنہیں عام طور پر شارحین حدیث اپنی شرح میں اپناتے ہوئے نظر آتے ہیں، ہمارے ممدوح مصنف نے بھی اپنی قابل قدر کتاب میں انہیں اختیار فرمایا ہے۔تاہم بہت سارے مقامات پر بہت زیادہ تشنگی محسوس کی گئی ؛کہ مشکل اور غریب الفاظ کو حل کرتے ہوئے کتب لغت سے استفادہ نہیں کیا گیا ؛احادیث سے مستنبط ہونے والے فقہی احکام کی طرف توجہ نہیں دی گئی، اگر کہیں اس کا تذکرہ کیا بھی گیا تو اتنے اختصار کے ساتھ کہ اس کی وضاحت کی ضرورت باقی رہی۔اس کے باوصف یہ اپنے موضوع پر ایک عمدہ اور جامع کاوش ہے۔

## References


[1] Abū Sāleh al-Munjid, *Kaifa ʻĀmiluhum* (Al-Riyadh: Majmuaa Zad lil Nashar, 1436AH), 18.
[2] Al-Qalam:4
[3] Al-Muʻjim Tabrāni, Hadith no:6578.
[4] Al-Munjid, *Kaifa ʻĀmiluhum*, 147.
[5] Al-Munjid, *Kaifa ʻĀmiluhum*,147.
[6] Al-Munjid, *Kaifa ʻĀmiluhum*,236.
[7] Muhammad Ibn Ismail al-Bukhāri, Sāhih Bukhāri, Hadith no:1498.
[8] Muslim Ibn Hajjāj Al-Qushairi, Sahih Muslim, Hadith no:1498.
[9] Muslim, Sahih Muslim, Hadith no:2662
[10] Al-Munjid, *Kaifa ʻĀmiluhum*, 83.
[11] Al-Munjid, *Kaifa ʻĀmiluhum*, 363.
[12] Al-Munjid, *Kaifa ʻĀmiluhum*,363.
[13] Al-Munjid, *Kaifa ʻĀmiluhum*,364.
[14] Al-Munjid, *Kaifa ʻĀmiluhum*,2038.
[15] Al-Munjid, *Kaifa ʻĀmiluhum*,200.
[16] Al-Munjid, *Kaifa ʻĀmiluhum*,81; Musnad Imam Ahmād, Hadith no:23980.
[17] Al-Munjid, *Kaifa ʻĀmiluhum*,81.
[18] Al-Bukhari, Sahih Bukhāri, Hadith no:6034.
[19] Al-Munjid, *Kaifa ʻĀmiluhum*,185.
[20] Al-Munjid, *Kaifa ʻĀmiluhum*,185.
[21] Al-Munjid, *Kaifa ʻĀmiluhum*,202.